فلسطین اسرائیل جنگ اور ہماری ذمہ داریاں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

گزشتہ ماہ اکتوبر ۲۰۲۳ء کی ۷/ تاریخ سے تاحال فلسطین کے باشندوں خصوصاً اہالیانِ غزہ پر اسرائیل کی ریاستی دہشت گردی جاری ہے۔ نہتے بچوں، بوڑھوں، خواتین حتیٰ کہ پناہ گزین کیمپوں میں موجود معصوم انسانوں اور ہسپتالوں میں موجود زخمیوں اور بیماروں پر بمباری کی جارہی ہے، جس سے نو ہزار سے زائد مسلمان شہید ہوچکے ہیں اور چھبیس ہزار کے قریب زخمی ہیں۔ غزہ کے چاروں طرف محاصرہ کی بنا پر اہلِ غزہ پر خوراک، پانی، ایندھن اور ضروریاتِ زندگی کو تنگ کردیا گیا ہے، جس کی بنا پر نہ صرف عالمِ اسلام کی عوام بلکہ انصاف پسند مغربی اقوام بھی سراپا احتجاج ہیں، لیکن اقوامِ متحدہ سمیت مسلم حکمران مذمتی قراردادوں کے پاس کرانے کے سوا کہیں آگے نہیں بڑھ رہے۔ ان حالات میں عالمِ اسلام کی عوام اور حکمرانوں کی کیا ذمہ داری بنتی ہے، اس پر جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری زید مجدہٗ سے سوال کیا گیا، جس کا جواب روزنامہ جنگ میں ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے عنوان کے تحت شائع ہوا، اس جواب میں بہت ہی اہم، مقصودی اور بنیادی باتوں کا تذکرہ آگیا ہے۔ قارئینِ بینات کے افادہ کی غرض سے بصائر و عبر کے طور پر انہیں شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

سوال

حماس اسرائیل جنگ اور اس پر مسلمان ملکوں کے رویے کی وجہ سے دل بہت پریشان اور غمگین ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟ آپ سے درخواست ہے کہ میری گزارش کو فوقیت دیں اور اپنے کالم میں پہلے میری درخواست کا جواب دیں؛ کیوں کہ یہ صرف مجھ اکیلے کا سوال نہیں ہے۔

جواب

فلسطین کے حالات کی وجہ سے ہر انصاف پسند اور صاف دل اور زندہ ضمیر رکھنے والا شخص رنجیدہ ہے۔ ایک مومن تو اپنے دل میں درد، جگر میں سوز اور کلیجے میں جلن محسوس کرتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ اسلام نے جس درد ومحبت کے رشتے میں ہمیں پرو دیا ہے، اس کی رو سے مشرق میں کھڑے شخص کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھے تو مغرب میں کھڑے شخص کو اپنے دل میں اس کی چبھن محسوس کرنی چاہیے۔ ایک کی مصیبت پر دوسرے کو تڑپ جانا چاہیے اور ایک کی چوٹ کی کسک دوسرے کو اپنے سینے میں محسوس ہونی چاہیے۔ اس کیفیت میں شدت اس وقت آجاتی ہے جب وہ خود آگے بڑھ کر مظلوم کی مدد اور ظالم کا ہاتھ روکنا چاہ رہے ہوں، مگر بے بس ہوں اور جن کی اصل ذمہ داری ہو، وہ اس کا احساس نہ رکھتے ہوں، ایسے موقع پر ان کی حالت وہ ہوجاتی ہے جو امام سبکی علیہ الرحمہ پر گزری تھی اور اس حالت میں ان کے قلم سے یہ درد میں ڈوبے ہوئے الفاظ نکلے تھے کہ: ''ہائے! ہاتھوں کا کام فریاد کرنا نہیں، بلکہ گریبان پکڑنا ہے، مگر افسوس کہ یہ ہاتھ ان تک پہنچ نہیں سکتے ہیں۔'' جن کے ہاتھ ان تک پہنچ سکتے ہیں، جنہیں عالمِ اسلام اور ستاون اسلامی ملکوں سے یاد کیا جاتا ہے، اُن کی زبانیں گنگ، ہاتھ شل، اعضاء مفلوج اور ضمیر مردہ ہوچکے ہیں، چنانچہ عملی تعاون اور مدد تو کجا، کہیں سے ان مظلوموں کی حمایت میں کوئی طاقت ور اور توانا آواز بھی نہیں اُٹھ رہی ہے۔ اگر کہیں کسی گوشے سے کوئی نحیف ونزار صدا سنائی بھی دیتی ہے تو رسمی جملوں تک محدود ہوتی ہے، حالانکہ ان کو آوازوں اور قراردادوں کی ضرورت نہیں، بلکہ ٹینکوں کے مقابلے میں ٹینکوں کی اور میزائلوں کے مقابلے میں میزائلوں کی ضرورت ہے۔ اسرائیل کی حمایتی ریاستوں نے صرف اس کے حق میں آواز بلند نہیں کی ہے، بلکہ بحری بیڑے اور عسکری ساز وسامان بھیجا ہے۔

عالمِ اسلام اگر فلسطینیوں کے ساتھ یہ رویہ رکھ کر سمجھتا ہے کہ ان کی اُفتاد ہے، اُن پر پڑی ہے اور وہ جھیل لیں گے اور گزر جائے گی تو یہ اُن کی خام خیالی ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ:

’’ قَالَ رَبُّكَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَأَنْتَقِمَنَّ مِنَ الظَّالِمِ فِيْ عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ، وَلَأَنْتَقِمَنَّ مِمَّنْ رَأٰى مَظْلُوْمًا فَقَدَرَ أَنْ يَّنْصُرَهٗ، فَلَمْ يَفْعَلْ. ‘‘

(المعجم الأوسط للطبراني، ج:١، ص:١٥، باب الألف، من اسمه أحمد، ط:دار الحرمين - القاهرة)

’’اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ مجھے میری عزت وجلال کی قسم! میں جلد یا بدیر ظالم سے بدلہ ضرور لوں گا اور اُس سے بھی بدلہ لوں گا جو باوجود قدرت کے مظلوم کی مدد نہیں کرتا۔‘‘

صحیح بخاری میں ہے کہ:

’’ اَلْمُسْلِمُ اَخُوْ الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلاَ يُسْلِمُهٗ. ‘‘

(صحیح البخاری، كِتَاب الْمَظَالِمِ، بَابُ لاَ يَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ وَلاَ يُسْلِمُهٗ، رقم الحديث: ٢٤٤٢)

یعنی ’’مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، مسلمان نہ دوسرے بھائی پر زیادتی کرتا ہے اور نہ ہی اسے اوروں کے سپرد کرتا ہے۔‘‘

اور مسلم شریف میں ہے کہ:

’’وَلَا يَخْذُلُهٗ ‘‘ (صحيح مسلم، ص:١٩٨٦، ج:٤، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله، ط:دار إحياء التراث العربي)

یعنی ’’اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا ہے۔‘‘

مسلمانوں کو اگر عالمِ اسلام سے امید ہے تو عالمِ اسلام کی نظریں خصوصاً پاکستان کی طرف ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اگر اسرائیل کا کوئی حقیقی حریف اور اصل مدِمقابل ہے تو وہ پاکستان ہے۔ دونوں کی بنیاد مذہبی ہے اور دونوں کی عمریں تقریباً برابر ہیں اور دونوں ایٹمی قوتیں ہیں۔

پاکستان پر کسی اور سے زیادہ یہ ذمہ داری اس وجہ سے بھی عائد ہوتی ہے کہ ہمارے آئین کا آرٹیکل: ۴۰ عالمِ اسلام سے مضبوط رشتہ استوار کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ بانیِ پاکستان کے الفاظ ہیں کہ:

’’پاکستان دنیا کی مظلوم اور کچلی ہوئی اقوام کو اخلاقی اور مادی امداد دینے سے کبھی بھی نہیں ہچکچائے گا۔‘‘

اور اقوامِ متحدہ کے منشور میں درج شدہ اُصولوں کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان نے کئی اسلامی ملکوں کی آزادی کے لیے اَنتھک کوششیں کی ہیں اور ایشیا، افریقا، اور لاطینی امریکا کی مظلوم قوموں کا ساتھ دیا ہے۔

فلسطین کے ساتھ بانیانِ پاکستان کا رشتہ بطورِ خاص اسی طرح رہا ہے جیسے کشمیر کے ساتھ رہا ہے، انہوں نے کشمیر کی طرح فلسطین کے درد کو بھی اپنا درد سمجھا اور دونوں ہی تحریکوں میں بدل و جان حصہ لیا ہے، بلکہ ہمدردی کا یہ تعلق جانبین سے رہا ہے۔ فلسطین کے اکابر نے ہمیشہ مسئلہ کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے موقف کی حمایت کی اور کشمیریوں کے حقِ خودارادیت کی تائید کی، خصوصاً قیامِ پاکستان کے زمانے میں مفتی اعظم فلسطین کے عہدے پر فائز مفتی امین حسینیؒ نے ۱۹۵۱ء میں کشمیر کے حوالے سے کراچی میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت کی اور بذاتِ خود آزاد کشمیر جاکر کشمیریوں کے حقِ خود ارادیت کی حمایت کی۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی فلسطین کے بارے میں فکرمندی ان کے کلام اور خطبات سے واضح ہے اور بانیِ پاکستان کی موجودگی میں مسلم لیگ نے قرارداد پاس کی کہ عالمِ اسلام بیت المقدس کو غیر مسلموں سے آزاد کرنے کے لیے مشترکہ حکمتِ عملی وضع کرے۔

قیامِ پاکستان کے بعد بانیِ پاکستان نے امریکی صدر کے نام ایک خط میں اسرائیل کے قیام کو اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی خلاف ورزی قرار دیا اور امریکی صدر سے اپیل کی کہ وہ فلسطین کی تقسیم کو روکیں۔ بعدازاں آل انڈیا مسلم لیگ کے آخری اجلاس منعقدہ ۱۴ اور ۱۵ ردسمبر ۱۹۴۷ء میں فلسطین کی تقسیم کو مسترد کیا گیا۔

ان ابتدائی گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ اسرائیل ایک ریاست ہے اور ریاست کا ہاتھ افراد نہیں، بلکہ ریاست روک سکتی ہے؛ اس لیے پاکستان سمیت تمام مسلمان ملکوں کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ ان حالات میں مسلمان ملکوں اور عوام کو چاہیے کہ وہ درج ذیل امور کا اہتمام کریں:

①- سب سے پہلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع اور انابت کرکے اسی سے مدد مانگیں اور خوب دعائیں کریں؛ کیوں کہ وہی مسلمانوں کا حقیقی حامی و ناصر اور معین و مددگار ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

’’وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ‘‘ (آلِ عمران، آیت نمبر: ۱۲۶)

’’فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے جو مکمل اقتدار کا بھی مالک ہے اور تمام تر حکمتوں کا بھی مالک ہے۔‘‘

اسی سورت کی ایک سو پچاسویں آیت میں ہے کہ:

’’بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ‘‘ (آلِ عمران، آیت نمبر: ۱۵۰)

''(یہ لوگ تمہارے خیرخواہ نہیں ہیں) بلکہ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔''

یہ بھی ارشاد ہے کہ:

''اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ '' (آل عمران، آیت:۱۶۰)

''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔''

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان جب آسمانی طاقت ساتھ لے کر چلے ہیں تو بڑی بڑی طاقتیں ان کے سامنے خاک کے گھروندے ثابت ہوئے ہیں۔ اسرائیل طاقت ور سہی مگر خدا سے زیادہ طاقتور نہیں اور اس کی طاقت یہی ہے کہ مٹھی بھر جماعت نے اس کی دھاک خاک میں ملادی ہے، وہ شدید رسوا اور ذلیل ہوا ہے، اس کی ہیبت زائل ہوچکی ہے، اس پر لرزہ طاری ہے اور وہ حواس باختہ ہو چکا ہے۔ چند دنوں کی جھڑپوں میں اس نے شدید جانی، مالی اور عسکری نقصان اُٹھایا ہے، اب وہ نہ سکونت کے اعتبار سے محفوظ رہا ہے اور نہ ہی سرمایہ کاری کے لیے قابلِ اعتماد ٹھہرا ہے، اس کے ریڈاروں، کیمروں، سینسروں، مضبوط دیواروں، آہنی باڑوں اور جدید ٹیکنالوجی کے باوجود مجاہدین اسے ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِـيْمًا '' (سورۂ نساء، آیت:۱۰۴)

''اور تم ان کافر دشمنوں کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ، اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو ان کو بھی اس طرح تکلیف پہنچی ہے جیسے تمہیں پہنچی ہے اور تم اللہ سے اس بات کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں اور اللہ علم کا بھی مالک ہے اور حکمت کا بھی مالک۔''

۲- دوسری چیز خدا پر یقین اور اعتماد ہے۔ یقین وہ ہتھیار ہے جو حالات کے دھارے کو بدل دیتا ہے، طوفانوں کا رخ موڑ لیتا ہے۔ مبصرین کے اندازوں کو غلط ثابت کردیتا ہے اور انقلاب برپا کردیتا ہے۔ تاریخ اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ بنی اسرائیل کو سر کی آنکھوں سے نظر آرہا تھا کہ آگے سمندر اور اس کی طغیانی ہے اور پیچھے فرعون اور اس کا لاؤلشکر ہے؛ اس لیے پکار اُٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے، مگر موسیٰ علیہ السلام نے پورے جزم اور یقین سے کہا:

''كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ '' (الشعراء:۶۲)

''ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے جو مجھے ضرور راستہ دے گا۔''

اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ سب کو معلوم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی یقین کی بدولت کسی جتھے اور جماعت اور کسی مادی قوت اور منصب کے بغیر تن تنہا اس وقت کی پوری دنیا کے باطل سے جاٹکرائے اور اسے پاش پاش کردیا۔ غزوۂ خندق میں ایسے موقع پر جب مسلمان فاقہ کشی کا شکار ہیں اور ایسے حالات میں کہ جب زندہ بچ جانے کی اُمیدیں کم ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ تم ایران اور شام کے محلات کو فتح کروگے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ولولہ وعزم اور عشق ویقین تھا کہ لشکرِ اسامہ کو روانہ فرمایا، مرتدین سے قتال کیا اور دو بڑی سلطنتوں سے جہاد کیا، حالانکہ مہاجرین اور انصار کے سب بزرگوں کی رائے اس کے خلاف تھی۔

آج بھی عقل کا فتویٰ اور سیاست کا فیصلہ یہ ہے کہ جابر و قاہر اور سنگدل و وحشی اسرائیل کے خلاف کسی مہم جوئی سے باز رہا جائے، مگر جس خدا نے اس وقت مدد و نصرت کی اور مادی سوچ کو ناکام اور اندازوں کو غلط ثابت کیا، وہ خدا آج بھی اسی قدرت اور طاقت کے ساتھ موجود ہے، مگر ایسے یقین کے لیے شرط ہے کہ وہ کسی ضد اور نفسانیت یا بیرونی امداد اور طاقت کے سہارے کی بنا پر نہ ہو، ورنہ انجام وہ ہوتا ہے جو اکثروں کے ساتھ ہوا ہے۔

۳- یہ بھی ضروری ہے کہ جو اقدام ہو وہ مشورے اور مناسب تدبیر کے ساتھ ہو۔ ان سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ یقین کی بنیاد حق اور صداقت ہو اور صاحبِ یقین مخلص اور عملِ صالح کی دولت سے مالا مال ہو۔

۴- اس کے بعد کا مرحلہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق ہو۔ اسی مقصد کے لیے اسلام اجتماعیت کو ضروری قرار دیتا ہے، امیر کی اطاعت بھی اس لیے ضروری ہے کہ امارت قائم رہے، اور امارت کی ضرورت مرکزیت کے لیے ہے، اور مرکزیت کی ضرورت اجتماعیت کے لیے ہے۔ عالمِ اسلام جو جغرافیائی محلِ وقوع رکھتا ہے، اس کی بنا پر وہ بے پناہ عسکری، اقتصادی اور سیاسی اہمیت رکھتا ہے۔ ضرورت صرف ایک مقصد پر متفق ہونے کی ہے اور نقطۂ اتحاد کوئی نسلی، لسانی، قومی اور جغرافیائی اشتراک نہ ہو، بلکہ صرف مذہبِ اسلام ہو۔

مسلمانوں کی تاریخ کا فیصلہ ہے کہ جب کبھی ان کو آزادی ملی ہے یا ان کی کوئی بڑی تحریک کامیاب ہوئی ہے یا انہوں نے کوئی انقلاب برپا کیا ہے تو اس کے پسِ پشت مذہب کا عامل تھا، خود تحریکِ پاکستان کا جائزہ لیجیے، قومیتوں کے اختلاف کے باوجود اس کی کامیابی بھی تب ہی ممکن ہوئی جب

''پاکستان کا مطلب کیا: لا إلٰہ إلا اللہ'' کے نعرے کو بنیاد بنایا گیا۔

۵-ان اوصاف کے ساتھ ایک مزید وصف صبر واستقلال کا ہے، جس کا مطلب ہے کہ مسلمان اپنے عزم کے پکے اور ارادوں میں پختہ ہوں اور وہ ایک جگہ جمے اور ڈٹے ہوئے ہوں اور حالات کی سنگینی کی وجہ سے نہ ان کے ارادے متزلزل ہوں اور نہ ہی پائے استقامت میں جنبش پیدا ہو۔ جو لوگ اس طرح صبر واستقلال کا مظاہرہ کر لیتے ہیں، پھر وہ محکوم، مغلوب، مجبور اور مقہور نہیں رہتے ہیں، بلکہ دنیا کی امامت وقیادت کا تاج ان کے سر سجا دیا جاتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

''وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ'' (سورۂ سجدہ:۲۴)

''اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو، جب انہوں نے صبر کیا، ایسے پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔''

اب تک مسلمانوں کی جن صفات کا بیان ہوا وہ سب شرعی صفات ہیں اور یہی مسلمانوں کی اصل طاقت ہیں، اس طاقت کا جب کبھی مادی طاقت سے تصادم ہوا ہے، غلبہ ان ہی کو حاصل رہا ہے۔ بدر اور اُحد اور بعد کے اسلامی معرکے ان ہی کی بنیاد پر لڑے گئے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ مادی وسائل جمع نہ کیے جائیں اور نہ ان سے کام لیا جائے۔ نماز پانچ وقت ہے اور روزہ ایک مہینہ ہے اور حج ایک مرتبہ ہے، مگر دشمن کے مقابلے کے لیے تیاری کو قرآن کریم نے غیر محدود رکھا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان وسائل کی کثرت اور اس میں برتری حاصل ہونے تک جہاد کے فریضے کو موقوف نہ رکھیں؛ کیوں کہ وسائل کے لحاظ سے عمومی معیار یہ ہے کہ کافروں کو مسلمانوں سے دس گنا زیادہ وسائل میسر ہوں گے اور اگر مسلمان بہتر پوزیشن میں ہوئے تو پھر بھی مسلمانوں کو دوگنی تعداد اور وسائل کا سامنا ہوگا۔ اگر وسائل اور دشمن جیسے وسائل یا ان کے برابر وسائل یا ان سے برتر وسائل ضروری ہوتے تو اسلامی غزوات کی کبھی نوبت ہی نہ آتی اور عہدِ حاضر اور قریب میں اسلامی تحریکات کبھی کامیاب نہ ہوتیں۔ بہرحال وسائل سے انکار نہیں، بلکہ ان کی ترغیب ہے اور ترغیب بعض صورتوں میں وجوب اور فرض کے درجے میں ہے، مگر دشمن جیسے وسائل کی دستیابی تک جہاد کو موقوف رکھنا دوا کھانے کے لیے صحت کا انتظار کرنا ہے۔

موجودہ حالات میں مسلمان ممالک جب تک کوئی عملی قدم نہیں اُٹھاتے ہیں، اس وقت تک ایک عام مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مؤمنانہ صفات سے اپنے آپ کو موصوف رکھے، تمام گناہوں

خصوصاً ان گناہوں سے اجتناب کرے جن کی وجہ سے نہ صرف نصرتِ الٰہی رک جاتی ہے، بلکہ خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

دعا کا ہتھیار ہر مسلمان کے پاس ہے اور اس کے لیے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں، مؤمن کی آہِ سحر گاہی اور نالۂ نیم شبی میں خدا تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ يَدُرُّ لَكُمْ أَرْزَاقُكُمْ؟ تَدْعُوْنَ اللهَ فِيْ لَيْلِكُمْ وَنَهَارِكُمْ، فَإِنَّ الدُّعَاءَ سَلَاحُ الْمُؤمِنِ.'' (مسند أبي يعلي، ص:٣٠٨، ج:٣، مسند جابر بن عبد الله رضي الله عنه، ط:دار الحديث، القاهرة)

''کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو تمہارے دشمنوں (کے ظلم وستم) سے تمہیں نجات دے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے، وہ عمل یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دن رات دعا کیا کرو؛ کیوں کہ دعا مؤمن کا ہتھیار ہے۔''

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الدُّعَاءُ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ، وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللهِ بِالدُّعَاءِ.'' (المستدرك علي الصحيحين للحاكم، ص:٦٦٦، ج:١، كتاب الدعاء، والتكبير، والتهليل، والتسبيح والذكر، ط: دار الكتب العلمية)

''دعا ان حوادثات اور مصائب سے بھی چھٹکارا دلاتی ہے جو حوادثات اور مصائب نازل ہو چکے ہیں اور ان سے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، لہٰذا اللہ کے بندو! دعا کا اہتمام کیا کرو۔''

پھر وہ دعا جو اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں کی جائے وہ تو جلد قبول ہوتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ أَسْرَعَ الدُّعَاءِ إِجَابَةً دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ.'' (سنن أبي داؤد، ص:٥٦٣، ج:١، كتاب الصلاة، باب الدعاء بظهر الغيب، ط:المطبعة الأنصارية بدهلي- الهند)

''بے شک جلد قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو غائب کی غائب کے لیے ہو'' یعنی کسی کی غیر موجودگی میں اس کے حق میں دعا کی جائے۔

امت کے لیے اخلاص کے ساتھ دعاؤں اور نمازوں کا اہتمام جاری رکھیں، اس سے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہوگی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ.'' (صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب، ج:٤، ص:٣٦، رقم الحديث:٢٨٩٦)

یعنی: ''اللہ تعالیٰ اس اُمت کے ضعفاء و کمزور لوگوں کے بسبب اور ان کی دعاؤں، نمازوں اور اخلاص کی بدولت اس امت کی مدد فرماتے ہیں۔''

⑥- دعا کے ساتھ ان کی مالی اور اخلاقی مدد کرنا ہے۔ اصل اعانت تو وہ ہے جس کا نقشہ مسلمان سپہ سالار طارق بن زیاد نے پیش کیا تھا کہ جب ایک عیسائی حکمران راڈرک نے اپنے گورنر کی معصوم بچی سے زیادتی کی اور اس گورنر نے اپنے ہمسایہ اور ہم منصب مسلمان گورنر موسیٰ بن نصیر کو مدد کے لیے خط لکھا اور جواب میں طارق بن زیاد نے اسپین کو فتح کر کے اسے امن کا گہوارہ بنا دیا۔ اصل اعانت وہ ہے جس کا مظاہرہ حجاج بن یوسف نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو یہاں بھیج کر کیا تھا۔ فلسطینی مسلمانوں کے ترجمان اسی کی دہائیاں دے رہے ہیں اور اللہ کا کلام مسلمانوں سے اسی کا طالب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا'' (سورۂ نساء، آیت:۷۵)

''اور اے مسلمانو! تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔''

مدد کا حق اسی طریقے سے ادا ہوسکتا ہے، لیکن اگر اس طرح ممکن نہیں ہے تو ان کی مالی مدد و اعانت ضرور کرنی چاہیے، مسلمان اہلِ ثروت کے پاس یہ جہاد بالمال کا سنہرا موقع ہے۔

⑦- اس کے ساتھ ان حالات میں چند اور امور کی طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے۔ اہلِ علم کو چاہیے کہ عام مسلمانوں کو فلسطین کی تاریخی، مذہبی اور سیاسی اہمیت سے آگاہ کریں۔ فلسطین کا قضیہ حقیقت

میں کیا ہے؟ اور مسلمانوں کو اس بارے میں حساس ہونے کی ضرورت کیوں ہے؟ اس بارے میں نوجوان نسل کو اصل حقائق سے آگاہ کرنا چاہیے۔ یہود کے جرائم اور نفسیات کیا ہیں؟ اور قرآنِ کریم کی سب سے بڑی سورت میں ان کو کیوں برائی کا منبع، اس کا مصدر اور موجد قرار دیا گیا ہے؟ موجودہ دور میں اسرائیل، امریکا اور یورپ کا گٹھ جوڑ کیوں ہے؟ جنگ اور جہاد میں کیا فرق ہے؟ اور حماس اپنی موجودہ روش میں کیوں حق پر ہے؟ ان حقائق سے نئی نسل کو روشناس کرانا چاہیے۔ جو لوگ میڈیا سے وابستہ ہیں یا کم از کم سوشل میڈیا استعمال کرتے ہیں، ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ جھوٹی خبروں اور غیر مصدقہ اطلاعات کو آگے نہ بڑھائیں، بلکہ دشمن کے پروپیگنڈے کو بے نقاب کریں۔ زمانہ جنگ میں دشمن کا وطیرہ رہا ہے کہ افواہوں کا بازار گرم کر دیتا ہے؛ اس لیے چوکنا اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے، منافقین نے تہمت کے لیے زمانۂ جنگ ہی کا انتخاب کیا تھا اور بعد کی تاریخ میں بھی زمانۂ جنگ میں ہی مسلمانوں کی طرف بے سروپا باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ آخر میں اپنے مسلمان رہنماؤں سے کہنا چاہتا ہوں کہ دنیا بھر کے مسلمان عوام میں ایمان وخلوص اور جوش وجذبہ پایا جاتا ہے، یہ جذبات ہماری طاقت ہیں اور برسرِ اقتدار طبقہ چاہے تو ان جذبات کو درست موقع پر درست انداز سے کام میں لاسکتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ محیر العقول کارنامے انجام دیے جاسکتے ہیں، جن سے دیگر قومیں محروم ہوچکی ہیں۔ اللہ پاک ہم سب کا حامی وناصر ہو! فقط واللہ اعلم

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....